آبگینہ مرزا

اک حرفِ تسلی پھول کی مانند

آنکھوں پر بازو دھرے وہ بظاہر آنکھیں موندے ہوئے تھی۔ مگر اس کا ذہن جاگ رہا تھا۔ اس کا ذہن تو گزشتہ کئی برس پہلے۔ جاگ چکا تھا۔ وہ اپنے اردگرد کے اس شور ہنگامے کو دیکھ کر جو محسوس کرتی تھی۔ اگر اس کا برملا اظہار کر دیتی تو مما کے ہاتھوں کئی بار پٹ چکی ہوتی۔ ردا اس سے ناراض ہو جاتی اور احمد بھائی کی خفگی برداشت کرنا پڑتی۔ مگر اتنا اس میں حوصلہ ہی کب تھا۔ اتنے بہت سارے لوگوں سے ٹکرانے کا۔ سو وہ اپنے خلفشار کو، اپنے ڈپریشن کو بڑی خاموشی سے خود ہی ختم کرنے کی سعی کرتی رہتی تھی۔

مگر ہر بار ناکام رہی تھی۔

ایک خلا ہنوز اس کے اندر کہیں تھا۔

ایک بے کلی۔

ایک ناآسودگی کا جال جس میں وہ۔ ہمیشہ سے قید تھی۔

خوشیاں اور مسرتیں اس کے آگے کسی خوبصورت منظر کی طرح پھیلی ہوئی تھیں جنہیں وہ ہاتھ بڑھا کر تھام سکتی تھی۔ مگر پھر بھی ناآسودہ تھی۔

وہ ہاتھ بڑھانے سے گریزاں تھی۔ کیوں؟ اس کیوں نے اسے ہمیشہ پریشان رکھا تھا۔

وہ اتنی مضطرب کیوں ہے؟

اتنی بے کل کیوں ہے؟

اونچے اونچے قہقہوں میں خود کوئی قہقہہ کیوں نہیں لگا سکتی۔ وہ ہنستی ہے تو اس کی ہنسی میں اتنا کھوکھلا پن کیوں ہوتا ہے اور اتنے بہت سارے کیوں؟ نے اسے اور بھی مضطرب کر رکھا تھا۔ مگر آج اس کے خلفشار اس اضطراب میں اضافہ ہو گیا تھا۔

یوں تو اس ہائی سوسائٹی "شوباز" طبقے کے لوگ ہنگامہ خیز قسم کی پارٹیاں کر کے مہینے کے چار پانچ روز یادگار بنا لیا کرتے تھے۔ مگر مما لہر رہی تھیں۔ آج سب سے بڑا اور یادگار فنکشن ہوگا۔ اس لیے کہ اس کی برتھ ڈے ہے۔ وہ پورے بائیس سال کی ہو چکی تھی۔ مگر برتھ ڈے کا کیک "سترہ" موم بتیوں سے سجے گا۔

کتنی کم فہم تھیں مما، ان کا خیال تھا لوگ آنکھیں بند کر کے یقین کر لیں گے۔

کتنے بے کار اور چھوٹے چھوٹے کمپلیکس پالے ہیں ہم لوگوں نے۔

"عینیہ ڈارلنگ! کیا کر رہی ہو بھئی؟" مما کی آواز کچھ دور سے سنائی دی۔

ایک ہنگامہ مچا تھا۔ مما کے سارے دوست اپنے اپنے دار جمع تھے۔ لڑکیاں اور لڑکے آج کے اس اونچے فنکشن کے تقاضے پورے کرنے کے لیے بڑھ چڑھ کر تیاریاں کر رہے تھے۔

اونہہ! بے تحاشا پیسے کا زیاں۔

نمود و نمائش۔

چکا چوند روشنیوں میں خود کو نمایاں کرنے کا وہی رٹا رٹایا کھیل۔ مما نے اس کے لیے بے حد قیمتی لباس تیار کروایا تھا۔ ان کی خواہش تھی کہ آج اسے سب سے منفرد حسین اور نمایاں نظر آنا چاہیے۔

مگر کیوں؟

وہ پھر اس کیوں میں چکرانے لگی، تب بھابی کی آواز اسے بے حد قریب سے سنائی دی۔

"ہائے عینی ڈارلنگ! تم ابھی تک یونہی پڑی ہو۔ مائی گاڈ تمہیں خبر ہے کتنا ٹائم ہو گیا ہے؟"

اس نے آنکھوں سے بازو ہٹا لیے۔ فانوس کی تیز روشنیوں نے چند لمحے اس کی آنکھوں کو چندھیائے رکھا۔

"گاڈ سیک عینی! کیا ہو گیا ہے تمہیں۔ آج تمہارا برتھ ڈے ہے، اور تم یوں بیڈ پر اتنے آرام سے لیٹی ہو۔ اٹھو چلو۔ ابھی پارلر بھی جانا ہے۔"

وہ بے دلی سے بیڈ سے نیچے اتر آئی۔

"ہماری زندگی کا ایک قیمتی سال یونہی بے مقصد اور بیکار ضائع ہو چکا ہے۔ اس پر غمگین ہونا چاہیے نہ کہ خوشی کے شادیانے بجانے چاہئیں۔"

"کم آن۔ اب الٹی سیدھی مت ہانکو۔ اور فٹافٹ باتھ لے لو۔" بھابی نے کمرے کے سارے پردے ہٹا دیے۔ اور پھر قد آدم آئینے کے سامنے اپنے رول کو درست کر مطمئن ہو کر بولیں۔

"ہم لوگ پارلر جا رہے ہیں، تمہارے لیے ایک گاڑی چھوڑے جا رہے ہیں۔ تم بھی باتھ لے کر فوراً پہنچو۔ دیر

فنکشن کا ٹائم دس بجے رکھا گیا ہے۔ چلو تم کم از کم گیارہ بجے تک تو پہنچ ہی جانا۔"

وہ بھابی کی باتوں کو سنی ان سنی کرتی باتھ روم میں غائب ہو گئی۔

رات اپنے جوبن پر تھی۔ روشنیوں میں نہائی ہوئی رنگوں اور خوشبو میں لپٹی ہوئی۔

وہ مہمانِ خصوصی تھی۔ سو سب سے آخر میں پہنچی جب ردا نے اسے کال کر کے کہا کہ "اب فوراً پہنچو، تقریباً سارے ہی مہمان آ چکے ہیں۔" اور وہ فوراً پہنچ گئی۔

اسے دیکھ کر مما کو کرنٹ لگا تھا۔ لبنیٰ بھابی کا چہرا ہونق ہو گیا۔ ردا نے دانت پیس کر اسے گھورا۔

وہ مما کے بنوائے سوٹ کو پہن کر بے حد سادگی سے تیار ہوئی تھی۔ بالوں کو ڈھیلی ڈھالی چوٹی میں جکڑ لیا تھا۔ ہلکے آئیزے اور میک اپ سے بے نیاز چہرا۔

"نان سنس!" مما دانت کچکچا کر اس کے پاس آئیں اور اس کا بازو تھام کر ایک طرف لے گئیں۔

"یہ کیا حرکت ہے عینی۔ پارلر کیوں نہیں گئیں تم؟ اور وہ ڈائمنڈ کا سیٹ کیوں نہیں پہنا۔!"

"کیا ضرورت تھی مما، محض چند گھنٹوں کے لیے میں دو ہزار کی رقم پارلر میں جھونک آتی۔" اس نے بہت نرمی سے ان کے غصے پر تیل چھڑکا۔

"عینیہ، عینیہ فولش گرل، یہ تم پیسوں کا حساب کتاب کب سے کرنے لگی ہو، تم کوئی مڈل کلاس کی لڑکی نہیں ہو کہ مائی گاڈ۔"

"مما! آخر میں کیوں اور کس لیے اپنی نمائش کروں۔ پلیز مما! اگر یہ خوشی کی پارٹی ہے تو اس میں مجھے خوش ہونے دیں۔"

"خاموش رہو، جاؤ اور جا کر میک اپ کر کے آؤ۔ ابھی تمہیں کسی نے دیکھا نہیں ہے۔"

"نہیں مما! مجھے کسی طرح کا کمپلیکس نہیں ہے۔" وہ ان کی گرفت سے نکل آئی۔ اور آگے بڑھ آئی۔

فنکشن جانے رات کس پہر ختم ہوا تھا وہ اندر آ گئی تھی اور کمرے میں بند ہو گئی تھی۔ صبح ناشتے پر مما کا منہ سوجا ہوا تھا۔ ردا الگ خفا ہو رہی تھی۔

"آپی! تم نے بھی حد کر دی۔ کیا ہو گیا ہے تمہیں؟ کیوں تم اپنے اسٹینڈرڈ سے نیچے رہنا چاہتی ہو؟" وہ ٹوسٹ پر مکھن لگاتے ہوئے مسلسل اس پر بگڑ رہی تھی مگر وہ بڑے تحمل کے ساتھ جام لگے ٹوسٹ کی طرح اس کی باتیں حلق سے اتار رہی تھی۔ اسے کسی طرح کی بھی ندامت نہیں تھی۔

البتہ مما کو منانا ایک مشکل مرحلہ تھا۔ مگر اسے یقین تھا، مما اس سے بہت محبت کرتی ہیں۔ وہ زیادہ دیر اس سے خفا نہیں رہ سکیں گی۔ پاپا نے کسی طرح کا رسپانس نہیں دیا تھا۔ پاپا تو ویسے بھی کم گو تھے اور پھر ایک روٹین سی ہو گئی تھی۔ مما ناشتے کے وقت ملتی رہتیں۔ اور وہ اخبار اپنے اطراف پھیلائے گم رہتے۔ کچھ لفظ سنتے تو "ہوں۔ ہاں" میں اڑا دیتے۔

اور اس کی رات والی حرکت پر مما نے پاپا پر بھی خوب غصہ نکالا تھا۔

"مما! آئندہ سے آپ میری سالگرہ نہ منایا کیجیے گا۔" اس نے ان کے گلے میں بازو حمائل کر دیے تو ردا کو بے ساختہ ہنسی آ گئی۔ البتہ مما نے اسے خشمگیں نظروں سے گھورا۔

"یہ سالگرہ کیا ہوتا ہے۔ ٹھیک ٹھاک طریقے سے بولا کرو اور اب تم نے ایسی کوئی فضول حرکت کی تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہو گا۔"

"اوکے مما!" اس نے سرِ تسلیم خم کر دیا کہ اسی میں عافیت تھی۔ اور یوں مما اور اس کے درمیان پھر سے دوستی کی فضا قائم ہو گئی۔

اس شام وہ مما، ردا اور بھابی کے ساتھ لان میں بیٹھی ردا کی نہ ختم ہونے والی باتیں سنتی رہی۔ ردا جانے کون کون سے فنکشن اٹینڈ کرتی تھی۔ بھابی کے ہمراہ۔ اور یوں اس کے پاس ہزار ہا باتیں ہوتی تھیں۔ اور کبھی کبھار بھابی بھی ردا کا ساتھ دے دیتیں۔ وہ سخت اکتاہٹ محسوس کر رہی تھی۔ مگر محض ان دونوں کی تسلی اور شوق کو مدِنظر رکھتے ہوئے ان کی سمت منہ کیے بلا مقصد مسکرا رہی تھی۔

اور تب سبحان علی پاپا کا منجر قدرے بوکھلایا ہوا تیز تیز قدموں سے چلتا ہوا آیا۔

"کیا ہوا سبحان علی خیریت تو ہے؟" سبھی بیک وقت اس کی جانب متوجہ ہوئے تھے۔

"میڈم! خیریت نہیں ہے۔" وہ قریب آگیا۔

"کیا ہوا۔ جمشید تو؟" مما پریشان ہوا ٹھیں۔

"جی وہ تو خیریت سے ہیں اور انہوں نے کہا ہے کہ آپ اور بچیاں اسی وقت اس کوٹھی سے کہیں اور چلی جائیں۔ ہاں وہ یہ بھی کہہ رہے تھے کہ اگر ہو سکے تو ان کی ہمشیرہ نسرین کے یہاں چلی جائیں اور صاحب تو لاہور چلے گئے ہیں۔ ان کی مسز کو ان کے والدین کے یہاں بھیج دیں۔ آگے آپ جو مناسب سمجھیں۔"

وہ پوری تفصیل بتا کر خاموش ہو گیا۔ مما تو یہ سب سن کر حواس باختہ ہو گئیں ردا کی حالت الگ بگڑنے لگی۔ وہ مما کے بازو سے لگ گئی۔

"کیوں مما! پاپا ایسا کرنے کو کیوں کہہ رہے ہیں؟"

"عینیہ بی بی! جمشید صاحب نے کہا ہے جتنا جلدی ہو سکے اس پر عمل کیا جائے۔"

اور وہ یکدم حرکت میں آگئی۔

"اٹھیے مما! کچھ سوچ کر ہی پاپا نے یہ حکم دیا ہے نا۔ ہو سکتا ہے کوئی سنگین مسئلہ درپیش ہو۔" وہ مما اور ردا کو سنبھالنے لگی۔

"اچھا ٹھہرو۔ میں خود جمشید سے فون پر بات۔"

"نہیں میڈم! صاحب نے منع کیا ہے کہ انہیں کال نہ کی جائے۔" سبحان علی نے مما کے قدم روک دیے اور مما چند ثانیے متفکر سی کھڑی رہ گئیں۔

"ٹھیک ہے، ڈرائیور سے کہو کہ گاڑی نکالے۔ چلو تم لوگ جلدی سے بیگ وغیرہ بھر لو اور میں۔"

"میڈم اگر آپ ٹائم ضائع نہ کریں تو؟" سبحان علی متفکر سا ہو گیا۔ "میرا مطلب ہے۔ بیگ وغیرہ بھرنے میں۔"

"مائی گاڈ۔ یہ بیٹھے بٹھائے کیا ہو گیا ہے۔ میری تو کچھ سمجھ میں نہیں آرہا۔"

"مما! ٹیک اٹ ایزی۔ چلیے آپ گاڑی میں بیٹھیں۔ میں ردا اور بھابی کو لے کر آتی ہوں۔"

"مگر عینی۔" مما نے الجھ کر اسے دیکھا۔ "میں نسرین کی طرف ہرگز نہیں جاؤں گی۔ اس گندے اور غلیظ گھر میں میں ہرگز نہیں رہ پاؤں گی۔ اور خدا جانے کیا مصیبت آپڑی ہے ہمیں کتنے دن رہنا پڑے گا۔"

مما کے لہجے میں نسرین پھوپھو کے لیے سخت حقارت تھی۔ اس کے دل پر ایک بوجھ سا آگرا۔ ایک گہرا دکھ اندر ہی اندر سرایت کر گیا۔

"ہم لوگ ندرت کے یہاں چلے جاتے ہیں۔" مما نے اپنا فیصلہ سنا دیا۔ اور اس کا حلق تک کڑوا ہو گیا۔ اس کے تصور میں آنٹی ندرت کے اوباش بیٹے ندیم کا چہرا لہرا گیا۔

"ہرگز نہیں مما! آپ اور ردا بے شک وہاں جا سکتی ہیں۔ مگر میں نہیں۔"

اس نے گاڑی میں بیٹھتے ہوئے اپنا فیصلہ سنا دیا۔ جس میں ترمیم کی گنجائش نہ تھی۔

"تو تم۔ نسرین کے یہاں جاؤ گی؟" مما نے اسے حیرت آمیز نظروں سے گھورا۔ انہیں اس کی دماغی حالت پر شبہ ہوا۔ مگر وہ چپ رہی۔

گاڑی کوٹھی کا پورچ عبور کر کے سڑک پر فراٹے بھرنے لگی۔

"تم بھی میرے ساتھ ندرت کے یہاں رہو گی سمجھیں تم؟" مما غصے سے کہہ رہی تھیں۔ وہ الجھ گئی۔

سات سال بہت ہوتے ہیں، اپنوں سے دور ہونے کے لیے۔ محض اسٹینڈرڈ کے فرق ـــــ نے دلوں میں اس قدر کدورت بھر دی تھی۔ لامتناہی فاصلے حائل کر دیے تھے۔

اتنی بے وقعت۔

اتنی فانی۔ چیز کو۔ رشتوں کے درمیان لانا رشتوں کی توہین ہی تو تھی۔

گاڑی ندرت آنٹی کے بنگلے کے سفید گیٹ کے سامنے رکی تو مما، ردا اور بھابی اتر گئیں مگر وہ جمی رہی۔

"عینیہ! تم حد سے زیادہ بدتمیز اور خودسر ہو گئی ہو۔ اگر تم نسرین کی طرف گئیں تو مجھ سے کبھی بات نہ کرنا۔" مما کا گھولتا ہوا لہجہ اس کی سماعتوں کو جلسا گیا۔

"مما ہر بار آپ مجھے چھوٹی چھوٹی خوشیوں سے بھی محروم کر دیتی ہیں۔ خدا کے لیے مما۔ مجھے اپنا آپ ڈھونڈنے دیجیے۔" اس نے کرب سے لب بھینچ لیے۔

"گاڑی آگے بڑھاؤ رستم خان۔"

اور رستم خان حکم کا غلام تھا۔ گاڑی زن سے آگے بڑھ گئی۔ وہ جانتی تھی مما کا غصہ نقطۂ اشتعال پر جا پہنچا ہو گا اور ردا۔ ہاں ردا بھی اس پر لعن طعن کر رہی ہو گی۔

اس نے سیٹ کی پشت پر سر ٹکا کر آنکھیں موند

لیں۔

کچا پکا آنگن۔ جو بڑے سے بادام کے درخت کے سرخ سرخ پتوں سے اٹا رہتا۔ اور پھر شام کو جھاڑو لگتی۔ اور ٹھنڈے پانی کا چھڑکاؤ ہوتا۔

گرم گرم حلوہ اور مزے دار قسم کی چائے کی خوشبو مٹی کی خوشبو میں مل جاتی۔

ان سب کا تصور کر کے وہ بے اختیار ہنس دی۔

سات سال بیت گئے تھے اب تو سب کچھ بدل گیا ہوگا۔

کتنے موسم اس گھر پر آ کر گزر گئے ہوں گے۔

مزاجوں کے رنگ بدل گئے ہوں گے یا

وہ سارے لہجے جن میں خلوص کی فراوانی تھی۔

وہ سب چہرے جو محبت کی روشنی سے چمکتے تھے۔

جانے اب بھی ایسے ہی ہوں گے کہ نہیں۔

"بی بی صاب! آپ کو کدھر جانا ہے؟" رستم خان نے اس کے خیالات کے سلسلے کو منقطع کر دیا۔

"نسرین پھپھو کے گھر۔" اس نے یوں بتایا جیسے کسی بڑی شاہراہ پر بنے مشہور ہوٹل کا نام لیا ہو اور ڈرائیور ہونق بنا۔ اسے دیکھتا رہ گیا۔

"ارے بھئی۔ اس طرف چلو۔ دائیں طرف۔" اسے احساس ہو گیا بھلا اس بیچارے کو کیا خبر کہ کون نسرین پھپھو۔ وہ اسے راستہ بتانے لگی۔ اور یہ دیکھ کر اسے خود پر حیرت ہونے لگی کہ اسے راستہ یوں ازبر تھا۔ جیسے وہ روز ہی یہاں تک آتی ہو۔

"خدا کرے۔ پھپھو اسے پہچان لیں اور پھر خود پاپا کا حکم تھا کہ وہ سب نسرین پھپھو کے یہاں جائیں۔ تو کیا پاپا کے دل میں ان کی یاد تازہ ہے۔ ہائے خدا جانے پاپا کو کون سی مشکل آن پڑی ہے۔"

اس کے خیالات کا ریلا یکدم پاپا کی طرف بہنے لگا۔

"خدا کرے وہ جہاں ہوں خیریت کے ساتھ ہوں۔ اور ان کا یہ حکم محض ان کی اپنی تسلی ہو۔ کوئی سنگین مصیبت ان تک نہ پہنچی ہو۔" اسے پاپا کی فکر لاحق ہو گئی۔

اس کے بتائے ہوئے راستوں پر رستم خان گاڑی بھگائے لے جا رہا تھا۔ اور جب گاڑی مانوس علاقے میں آ کر رکی تو اس کے لبوں پر دلفریب مسکراہٹ بکھر گئی۔ وہ گاڑی سے اتر کر چلنے لگی۔ مگر پھر ٹھٹک گئی۔

بہت سارے گھر ایک لائن میں بنے ہوئے تھے کچھ کچے کچھ پکے تھے۔ اور کسی کو جدید طرز کا بنا دیا گیا تھا۔ وہ لمحہ بھر کو چکرائی۔ وہ چھوٹا گیٹ اور بادام کا درخت کہیں بھی نظر نہیں آیا۔ مگر اس کے حافظے میں وہ گنتی محفوظ تھی۔

ایک دو تین چار۔ ہاں — چوتھا گیٹ ہوا کرتا تھا۔ وہ گنتی ہوئی ایک بڑے سے گیٹ کے سامنے رک گئی۔ ایک مانوس سی مہک اس کے اطراف پھیلنے لگی۔ اس نے ذرا دور ہو کر پورے گھر پر بھرپور نگاہیں ڈالیں اور پھر ہولے سے مسکرائی۔

سات سالوں نے مکینوں کے حالات بدلے ہوں گے۔ وقت کا پہیہ خوشگوار تبدیلیاں اس گھر کے لیے بھی لایا تھا۔ نیا نیا روغن دیواروں کو چمکدار بنا رہا تھا۔ چھوٹے اور بدرنگ گیٹ کی جگہ بڑا سا سیاہ جالی دار گیٹ لگا دیا گیا تھا۔

اس نے بے تابانہ گیٹ کو بچوں کی طرح بجا دیا۔ تو کچھ ہی دیر بعد سارا کا چہرا نمودار ہوا۔

اور اسے پہچاننے میں ذرا بھی دیر نہ لگی تھی۔ سر پر بڑا سا گلابی دوپٹہ اوڑھے وہ ویسی ہی تھی۔ نرم چہرا معصوم آنکھیں۔ ہاں بس لمبی ہو گئی تھی۔ اور چہرا بھر گیا تھا۔ وہ اسے دیکھے گئی۔ تب اس نے ایک زوردار چیخ ماری۔

"عینی عینی۔ آپی۔ تت تم۔" اور دوسرے ہی لمحے اس نے اسے خود سے بھینچ لیا۔

"ہاں، تم نے بھلا کیسے پہچان لیا مجھے۔" وہ کانپتی آواز میں بولی۔

"لو بھلا۔ تمہیں نہیں پہچانوں گی آپی!" وہ ہنس دی۔

"امی! عالی! دیکھیں تو کون آیا ہے۔"

وہ اسے یونہی چھوڑ کر اندر سب کو خبر کرنے بھاگی۔ اور وہ رستم خان کو واپس جانے کا کہہ کر — خوشگوار — احساسات کے ہمراہ اندر آ گئی۔

"ماشاء اللہ۔ میرے گھر کے تو نصیب جاگے ہیں۔ آج میری عینی آئی ہے۔"

پھپھو نسرین نے جانے کس دروازے سے نکل کر اسے خود سے لگا لیا۔ حالیہ بھی وفور مسرت سے اسے دیکھے گئی۔ وہ پھپھو کے سینے سے لگی کتنی ہی دیر خود کو سیراب کرتی رہی۔

"اکیلی آئی ہو یا اور کوئی بھی؟"

"نہیں، بس میں آئی ہوں۔" وہ اب عالیہ سے لپٹ گئی۔

"سچ عینی! یقین نہیں آرہا تم آئی ہو۔ ابھی تو بہار کے آنے میں بہت وقت تھا۔" عالیہ نے کہا تو وہ ہنس دی۔

"میں بہار بن کر نہیں بہار کی خواہش میں ادھر آئی ہوں۔" اس نے گہری گہری سکون آمیز سانسیں لیں۔ پھپھو اسے محبت سے تکے جا رہی تھیں اور یہ محبت بھری نگاہیں عینیہ جمشید کے دل پر نرم پھوار کی مانند گر رہی تھیں۔

"بادام کا درخت کہاں چلا گیا پھپھو؟" اس نے بچوں کی طرح پوچھا تو سب ہنس دیے۔

"یہ کمرا بادام کے درخت کی قبر پر ہی بنا ہے جناب!" عالیہ اب بھی ویسی ہی تھی۔ ہنستی مسکراتی۔

"ارے اندر تو آؤ۔ لڑکیوں کو تو ہوش ہی نہیں ہے کہ بیٹھنے کو کہیں یا چائے ٹھنڈے کا پوچھیں۔" پھپھو کا کہنا تھا کہ سارا بھاگ کر اندر سے کرسی اٹھا لائی۔ جیسے اس کو فوراً سے پیشتر بٹھانا۔ ایک اہم کام بن گیا تھا۔ اس نے اس کے قریب کرسی رکھ دی۔ تب پھپھو کا ایک ہاتھ سارا کی کمر کو گرم کر گیا۔

"نہ آئی عقل تجھے۔ کیا بیچ چوراہے پر بٹھاؤ گی اس کو۔ اٹھاؤ کرسی کمرے میں بیٹھتے ہیں۔" اور سارا کھسا کر کرسی اٹھائے ان سب کے ہمراہ اندر آگئی۔

"مجھے تو تم سے بہت سی باتیں کرنی ہیں مگر سمجھ میں نہیں آرہا کہ ابتدا کیسے کروں۔" عالیہ نے اسے اسکوائش کا گلاس تھماتے ہوئے کہا۔

"رہنے آئی ہو یا؟"

"ہوں۔ ٹھہروں گی جب تک دل چاہے گا۔"

"سچی آپی!" سارا کا چہرا کھل اٹھا۔

"مجھے یقین ہی نہیں آرہا عینی۔" عالیہ کا لہجہ ایک خوشگوار بے یقینی لیے ہوئے تھا۔

"آجائے گا یقین بھی۔" اس نے اسکوائش کا خالی گلاس اس کے ہاتھ میں دے دیا۔

"پہلے مجھے تو یقین کر لینے دو کہ ان گزرے سالوں نے دلوں پر کوئی رنگ نہیں چھوڑے۔ وہی موسم میرے ہاتھوں میں آگئے ہیں۔"

عالیہ مسکرا دی۔

"موسم چھوٹے دروازوں کے اندر نہیں آتے۔" تو بس اونچی کوٹھیوں میں تبدیلیاں لاتے ہیں۔"

"ارے تم کہیں شاعرہ تو نہیں بن گئی ہو۔" اس نے چھیڑا تو عالیہ محظوظ ہو کر ہنس دی۔

پھپھو تو جیسے اسے دیکھ کر جی اٹھی تھیں۔ سارا اور عالیہ کو اس کی خاطر مدارت پر لگا دیا تھا۔

چار کمروں کا یہ پُرسکون گھر آسودگی کا احساس دلاتا تھا۔ یقیناً پھوپھا جان نے ترقی کر لی تھی۔

"معوذ بھائی سی ایس ایس کا امتحان دے رہے ہیں نا پھر دیکھیے گا ہمارے پاس بھی بڑا سا مکان ہوگا اور اس میں باغیچہ بھی ہوگا۔" سارا کبابوں کا مسالا پیستے ہوئے اس سے باتیں بھی کر رہی تھی۔

"معوذ شاہ۔" اس کے ذہن کے پردوں پر مانوس سے نقوش لہرانے لگے۔

"ارے ابھی سے خیالی پلاؤ پکانے کی ضرورت نہیں ہے۔" عالیہ اس کی بچکانہ باتوں پر ہنس رہی تھی۔ مگر سارا پُرجوش تھی کہ اس کی عمر ہی ایسی تھی۔ جہاں یقین وسوسوں کی زد میں نہیں ہوتا۔ جہاں امید بھرپور توانا ہوتی ہے۔

"کیا کمی ہے اس گھر میں بھی۔ اتنا بڑا تو ہے۔" وہ اٹھ کر عالیہ کے پاس جا کھڑی ہوئی جو آٹا گوندھ رہی تھی۔

"عالی! ٹھنڈا پانی دو۔" بھاری اور اچانک ابھرنے والی آواز پر وہ پلٹی تو اس کا اٹھا ہوا سر اسی زاویے پر رہ گیا۔

اسے تو پھپھو نے شاید دروازے پر ہی اس کی آمد سے باخبر کر دیا تھا۔ اس کی آنکھوں میں کوئی تحیر نہ تھا۔ بس ایک گہری سرد مہری تھی۔ ایک بیگانگی تھی۔ عالیہ نے کولر سے پانی بھر کر اس کی سمت بڑھا دیا تھا۔

"معوذ بھائی۔ یہ عینیہ آپی ہیں۔" سارا اس کی لاتعلقی کو اس کی بے خبری سمجھ کر اپنا فرض ادا کرنے لگی۔ تعارف کا۔

"ہاں ان کی شہرت سے کون واقف نہیں ہے۔ مگر میں اب ان کی آمد پر بگل تو بجانے سے رہا۔" وہ خالی گلاس عالی کو تھما کر پلٹ گیا۔ اور سامنے کرسی پر بیٹھ کر جوگرز اتارنے لگا۔

عالیہ نے سراسیمہ ہو کر اسے دیکھا۔ اسے بھائی سے اس رویے کی توقع ہرگز نہ تھی۔

یقیناً اس کو یہ رویہ ناگوار گزرا تھا۔ مگر غیر متوقع ہرگز نہ تھا۔ وہ ہمیشہ سے ایسا ہی تھا۔

مگر اب وہ کوئی چودہ پندرہ سالہ الھڑ لڑکی نہ تھی کہ وہ اس کی تذلیل کر کے آگے بڑھ جاتا۔ اور وہ ان جملوں کی گہرائی ناپنے سے قاصر لاپروا انداز میں کھلکھلا کر ہنس دیتی۔ یا محض اسے غصیلا اور جیلس سمجھ کر نظر انداز کر دیتی۔

اس کے دل پر بڑا زبردست پتھر پڑا تھا۔ پہلے ہی قدم پر۔

"تم امی کے پاس جا کر بیٹھو۔ میں بس ابھی روٹیاں پکا کر آتی ہوں۔ یہاں گرمی بھی بہت ہے ناں۔"

اور وہ تو جیسے عالیہ کے کسی ایسے ہی جملے کی منتظر تھی۔ کسی روبوٹ کی طرح باورچی خانے سے نکل کر بڑے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

"کتنے دنوں کے لیے آئی ہیں یہ؟" وہ اٹھ کر بہنوں کے سر پر جا کھڑا ہوا۔

"معوذ بھائی پلیز۔ عینی بہت مان سے یہاں آئی ہے۔" عالیہ کے لہجے میں التجا تھی۔

اس نے اپنے سرخ لب بھینچ لیے۔ پیشانی پر کئی آڑے ترچھے بل لہرا گئے۔

"میں نے صرف تم سے یہ پوچھا ہے کتنے دنوں کے لیے آئی ہے۔"

"جب تک دل چاہا رہے گی۔" اس نے گرم گرم روٹی توے سے اتاری۔

"مگر اب لگتا ہے زیادہ دن نہیں رہ پائے گی۔" اس نے معوذ شاہ کو غصے سے پلٹتے اور اپنے کمرے کی طرف بڑھتے دیکھ کر از حد ملالی سے سوچا۔

رات پھپھو نے اس کے لیے الگ کمرا سیٹ کرنا چاہا تو اس نے انکار کر دیا۔

اتنے سالوں بعد تو اسے عالیہ اور سارا کے قریب ہونے کا موقع ملا تھا۔ وہ انہی کے کمرے میں سوئی۔ بلکہ اسے نیند کہاں آئی۔ وہ تینوں رات بھر باتیں کرتی رہیں۔ انہی باتوں کے دوران عالیہ نے اسے بتایا کہ اس کی بات اس کے تایازاد سے طے ہو چکی ہے۔ لڑکا جدہ میں ہے اور شادی تقریباً ایک سال بعد ہو گی۔ اور وہ خود جدہ چلی جائے گی۔

صبح اس کی آنکھ بہت دیر سے کھلی۔ ایک تو اس کی عادت ہی تھی دیر سے جاگنے کی اور دوسرے یہ کہ رات وہ بہت دیر سے سوئی تھی۔ اور پھر کسی نے بھی اسے جلدی جگایا نہ تھا۔ وہ شرمندہ سی ہو گئی۔

(جانے دولت کی زیادتی ہمیں بگاڑ کیوں دیتی ہے۔ ساری اچھی عادتیں ہم سے دور ہو جاتی ہیں۔)

اس نے قرآن پڑھتی سارا کو دیکھا اور پھر سارے گھر پر ایک طائرانہ نگاہ ڈالی۔ پورا گھر چم چم کر رہا تھا۔ باورچی خانہ صاف ہو چکا تھا۔ کھلا صحن دھل چکا تھا۔

عالیہ کپڑے پھیلا کر خالی بالٹی لیے اندر آئی تو اسے دیکھ کر مسکرائی۔

"اٹھ گئیں تم۔ پتا نہیں نیند بھی آئی کہ نہیں تمہیں۔ اے سی بھی تو نہیں ہے نا۔" وہ باورچی خانے میں آ کر اس کے لیے ناشتا بنانے لگی۔

"کچھ زیادہ ہی نیند آ گئی تھی۔ تم لوگوں نے مجھے جگایا کیوں نہیں؟"

وہ اس کے پیچھے چلی آئی۔ "کچھ اچھی عادتیں تو سیکھ لوں یہاں رہ کر۔" عالیہ ہنسنے لگی۔

"کون سی تم میں بری عادتیں ہیں۔ سارا کہہ رہی تھی کہ لگتا ہی نہیں ہے کہ عینی بڑے گھر کی نخریلی لڑکی ہے۔ تم واقعی نہیں بدلیں عینی۔ بالکل ویسی ہی ہو۔"

"یہ تو تمہارا خیال ہے نا عالی۔ ورنہ میں تو بہت بدل گئی ہوں۔ سرتاپا بدل گئی ہوں۔ کہاں رہی ہوں تم جیسی سارا جیسی اور نسرین پھپھو کی طرح سادا پُرخلوص اور بے غرض۔ ہماری سوسائٹی، ہمارے اردگرد کے لوگ ہمیں بدلنے پر مجبور کر دیتے ہیں۔ اس نخریلی سوسائٹی کے تقاضے پورے کرتے کرتے ہم صرف ڈمی بن کر رہ جاتے ہیں۔ جذبات، احساسات برف ہو جاتے ہیں۔ ہماری اپنی سوچیں مر جاتی ہیں۔ کم از کم میرے ساتھ تو یہی ہوا ہے۔

مجھ پر مما نے اس قدر رنگ پھیرے ہیں کہ میں اپنی شکل بھول گئی ہوں۔ ردا آہ۔ ردا جانے اس کھوکھلی اور بناوٹی زندگی میں کس طرح مما کا ساتھ دے رہی ہے۔)

"معوذ بھائی! آپ بھی عینی کے ساتھ ناشتا کر لیں۔"

عالیہ کی آواز پر وہ چونکی۔ وہ کہیں جانے کو مکمل تیار تھا۔ سیاہ شلوار سوٹ میں نکھرا نکھرا تروتازہ۔

عالیہ نے بڑی مستعدی سے اس کے اور معوذ شاہ کے لیے ناشتا چھوٹی ٹیبل پر سجا دیا تھا۔ وہ خاموشی سے آ بیٹھی۔

"عالی! مجھے صرف چائے دے دو۔" وہ اس پر ایک کڑی نگاہ ڈال کر نا خوشگوار لہجے میں عالیہ سے مخاطب تھا۔

"تو معوذ شاہ۔ تم مجھ سے اس قدر متنفر ہو۔ تمہارا وہ کمپلیکس اب تک تمہارا پیچھا نہیں چھوڑ پایا۔"

"میں تو یہاں بہت دن رہوں گی معوذ شاہ۔ تم کب تک صرف چائے پر گزارا کرو گے۔" اس نے صرف سوچا ہی نہیں بلکہ کہہ بھی دیا۔ بڑا غیر متوقع حملہ تھا۔ وہ اسے گھورتا رہ گیا۔ پھر چائے کا کپ اٹھا کر کرسی دھکیل کر کھڑا ہو گیا۔

"میں بہت حیران ہوں، بلکہ پریشان ہوں کیونکہ جب سمندر اپنی ڈگر سے ہٹ کر دوسری سمت بہنے لگتا ہے تو یہ خوش آئند بات نہیں ہوتی بلکہ کسی طوفان کا پیش خیمہ ہوتی ہے۔"

اس نے محض چند لمحوں کی تاخیر کے بعد اپنا حساب چکایا تھا۔ اس قدر استہزائیہ اور اہانت آمیز لہجہ تھا۔ وہ اپنی جگہ ساکت اسے پھپھو کے کمرے میں غائب ہوتا دیکھتی رہی۔

اس کا چہرا لال بھبھوکا ہو گیا۔ روٹی پر اس کے ہاتھ کی گرفت ڈھیلی ہو گئی۔ وہ تپے تپے چہرے کے ساتھ کھڑی ہو گئی۔

"ارے تم نے ناشتا نہیں کیا؟" عالی باورچی خانے سے جھانک کر حیرت سے استفسار کر رہی تھی۔

(اس قدر کڑوا ڈوز کھانے کے بعد ناشتے کی کہاں گنجائش رہی تھی۔)

"بس موڈ نہیں بن رہا۔" وہ بین میں جا کر ہاتھ دھونے لگی۔

وہ پھر پھپھو کے ہمراہ ان کے کمرے سے باہر آ گیا۔ ایک نظر اس پر ڈالی۔ اور پھر صحن میں رکھی بائیک کی طرف بڑھ گیا۔

"ارے یہ ناشتا کس کا دھرا پڑا ہے یہاں۔ عینی تم نے نہیں کیا؟" پھپھو نے اسے مخاطب کیا۔

"امی! معوذ بھائی اور عینی دونوں نے ناشتا نہیں کیا۔" عالیہ نے بتایا تو پھپھو کے چہرے پر ایک رنگ آ کر گزر گیا۔ وہ اس کے قریب آ گئیں۔ وہ صاف ستھرے ہاتھ تولیے سے یونہی رگڑے جا رہی تھی۔

اس کی موٹر سائیکل جیسے اس کے دل پر سے شور مچاتی گزر کر باہر نکل گئی تھی۔ اور وہ دور تک اس شور کو سن رہی تھی۔

"عینیہ بیٹی! معوذ نے کچھ کہہ دیا کیا؟" ان کے لہجے میں خوف سا تھا۔ وہ مسکرا دی۔

"بے فکر رہیے پھپھو میں ان کی باتوں سے گھبرا کر رخت سفر نہیں باندھوں گی۔ محض ایک شخص کی ناراضگی پر اتنی ساری محبتیں کیسے چھوڑ دوں۔"

اس نے تولیہ کھونٹی پر لٹکا دیا۔ اس نے دیکھا پھپھو کے چہرے پر تشکر کے رنگ بکھر گئے تھے۔ اور آنکھوں میں آسودہ سی چمک۔

اسے آئے تیسرا دن تھا کہ رستم خان گاڑی کے ساتھ آ موجود ہوا۔ مما نے اسے بلوایا تھا۔

"پاپا کا حکم ہے یہ؟" وہ اس سے پوچھ رہی تھی۔

"نہیں جی۔ بیگم صاحب کا ہے۔" وہ سر جھکائے بولا۔ "وہ سب لوگ واپس کوٹھی میں آ گیا ہے جی۔ اور بیگم صاحب نے بولا تھا کہ آپ کو ضرور لے کر آؤں۔"

پاپا کی بخیریت واپسی کا سن کر اسے خوشی ہوئی مگر اس نے جانے سے انکار کر دیا۔ اور رستم خان کو واپس بھیج دیا۔

"کیا رہیہ آنٹی خفا نہیں ہوں گی۔" عالیہ نے پوچھا۔

اس نے ایک گہری سانس سینے کی تہہ سے کھینچ کر رہا کی۔ اور کرسی پر ٹک گئی۔

ان کی ناراضگی کا قدم قدم پر احساس کر کے ہی تو وہ اب تک ناآسودہ رہی تھی۔ اور مما کو خوش کرنا اس کے لیے بہت زیادہ مشکل ہوتا تھا۔ اس کی اپنی ذات کہیں گم ہو جایا کرتی تھی۔ مگر ایسا بھی نہیں تھا کہ اسے مما سے محبت نہ تھی۔ یا ان کی ناراضگی کی پروا نہ تھی۔ اسے تو مما سے بہت محبت تھی۔ ذرا سی بیماری پر وہ تڑپ جایا کرتی تھی۔ رہا سے زیادہ وہ ان کے پاس بیٹھی ان کا دل بہلاتی رہتی مگر اس کے اس اقدام پر مما کا مشتعل ہو جانا بالکل بے معنی اور سراسر غلط تھا۔ اسے مما کی خفگی پر سخت تاسف

ہو رہا تھا۔ مما شاید۔۔۔ سب کچھ بھول چکی تھیں کہ کبھی وہ بھی ایک مڈل کلاس لڑکی تھیں پاپا کی اس بہن کی سہیلی تھیں۔ پھر ان کی سوچ کیوں بدل گئی۔

چھوٹی دیواروں کے اندر ان کی سوچیں، ان کے خیالات کتنے خوبصورت اور بے ریا ہوا کرتے تھے۔

مگر کیا اب اونچی اونچی دیواروں نے ان کے ذہن کو پست کر دیا تھا۔

وہ محبت اور اخلاص کا پڑھایا ہوا سبق بھول چکی تھیں۔

اس نے پھپھو کے شانے پر سر ٹکا دیا۔

"پھپھو! میں یہاں اپنا آپ ڈھونڈنے آئی ہوں۔ وہ رنگ جو میل کچیل سے پاک تھا۔ وہ سارے موسم جو میری مٹھی سے پھسل چکے ہیں۔ میں انہیں ڈھونڈنے یہاں تک آئی ہوں۔"

پھپھو کے مہربان بازوؤں نے اسے اپنے حصار میں لے لیا۔ اور کھڑکی کے پار کھڑا معوذ شاہ عجیب سے احساسات سے دوچار ہو رہا تھا۔ پھر یکدم اس کا چہرا انگارا ہو گیا۔ اس نے دور ہٹ کر پردہ کھینچ لیا۔

"اچھا کھیل کھیل لیتی ہو عینیہ جمشید تم!" اس نے پوری طاقت سے تپائی پیر سے اٹھا کر دیوار کی طرف لڑھکا دی۔

"تم ان سب سے الگ کیسے ہو سکتی ہو۔ ناممکن سی بات ہے۔" اس کی سوچوں میں آگ بھر گئی تھی۔ اس نے موٹی موٹی کتابوں کو ہاتھ بڑھا کر منتشر کر دیا۔

عینیہ نے عالیہ کا سوٹ زیب تن کیا تھا اور عالیہ خوامخواہ ہی شرمندہ ہوئی جا رہی تھی۔

"یہ اتنا عام سا فضول سا سوٹ کیوں پہن لیا تم نے۔"

"تو کیا گوٹے کناری والا پہنتی۔ عالی پلیز اس طرح کی باتیں کر کے میرا دل مت دکھاؤ۔ مجھے تم لوگ اپنے قریب آنے دو جانتی ہو اس دوری نے مجھے کس قدر مضطرب رکھا ہے۔" اس کی آنکھیں نم ہو گئیں۔ عالیہ اسے اس حد تک اداس ہوتا دیکھ کر گھبرا گئی۔

"نہیں عینی! میرا مطلب یہ تو نہیں تھا۔"

اس نے عالیہ کا پرنٹڈ دوپٹہ اٹھا کر شانے پر ڈالتے ہوئے آئینہ میں دیکھا۔

"تم سے زیادہ تو یہ سوٹ مجھ پر جچ رہا ہے۔" اس نے شگفتگی سے کہا تو عالیہ مسکرائی۔

"اس میں کوئی شک نہیں۔ اچھا چلو۔ میں تمہیں آس پڑوس کی لڑکیوں سے ملواؤں نور سحر اور غزالہ اکثر آتی رہتی ہیں میرے پاس۔"

"اوں ہوں۔ ابھی نہیں۔ پہلے میں مما کو فون کرنا چاہتی ہوں پتا نہیں میرے نہ جانے پر وہ کس قدر خفا ہوں گی۔ یہاں قریب کہیں فون ہو گا۔"

اس کی بات پر عالیہ سوچ میں پڑ گئی پھر بولی۔

"قریب تو نہیں ہے۔ ہاں البتہ ذرا دور کال بوتھ ہے۔ ایسا کرو تم معوذ بھائی کے ساتھ بائیک پر چلی جاؤ۔" عالیہ کے اس مشورے پر اس نے سر ہلا دیا۔

عالیہ نے پھپھو سے کہا تو انہوں نے معوذ شاہ سے بات کی اور وہ حسب عادت برہم ہو گیا۔

"ان سے کہیے کہ محترمہ واپس چلی جائیں یہ سوانگ رچانے کی آخر انہیں ضرورت کیا ہے۔"

"معوذ! زبان کو لگام دو۔ جو منہ میں آتا ہے بکے جاتے ہو۔ وہ کیوں سوانگ رچانے لگی۔" نسرین پھوپھو برافروختہ ہو گئیں۔

وہ باہر آ گیا وہ سامنے ہی تو کھڑی تھی بے پروا انداز لیے جو اسے کھولا ہی گیا۔

"پیدل چلنا ہو گا۔" اس نے قریب آ کر جیسے پتھر کھینچ مارا۔

میں جاؤں تو جاؤں کہاں

سیاہ نیولا

میرا پیچھا نہیں چھوڑتا

بھونکتے ہوئے خونخوار بھیڑیے میری طرف لپکے لیکن اس کے ساتھ ہی دوسرا خوفناک واقعہ ہوا جیسے ہی ایک بھیڑیا مجھ پر اچھلا، اچانک دو حصوں میں تقسیم ہو گیا۔

مکتبہ عمران ڈائجسٹ ۳۷ اردو بازار کراچی

"بائیک جو ہے۔" پھوپھو اس کے پیچھے پیچھے کمرے سے نکلی تھیں۔

"وہ خراب ہے مجھے سروس کروانی ہے۔"

"اچھا چلو ایسے ہی سہی۔" انہوں نے جیسے خلاصی چاہی۔

"جاؤ عنیسہ بیٹی! کال بوتھ زیادہ دور نہیں ہے۔ پیدل سے بھی قریب ہی پڑے گا۔"

اس نے سر ہلا دیا اور اس کے پیچھے نکل گئی۔ وہ اسکوٹر گھسیٹتا باہر نکل گیا۔

"اتنا قریب بھی نہیں ہے۔ چل لوگی پیدل اتنا؟" وہ اس پر طنز کرنے کا کوئی موقع بھی تو ہاتھ سے نہیں جانے دینا چاہتا تھا۔

"عادی تو نہیں ہوں۔ مگر مجبوری ہے تو کیا کیا جا سکتا ہے۔" اس نے کمال اطمینان سے کہا تو وہ اسے دیکھ کر رہ گیا۔ پھر اسکوٹر گھسیٹتا تیز تیز چلنے لگا۔

اونچا لمبا قد بلیک پینٹ اور وہائٹ شرٹ میں خاصا نمایاں اور خوبصورت دکھائی دے رہا تھا۔ بگڑے بگڑے تیوروں کے ساتھ اس کے ہمراہ چلتا ہوا اس کے دل کے اندر نامانوس سے جذبے جگا گیا اس کے اندر سے ایک ایسی خواہش اٹھی تھی کہ وہ دم بخود سی رہ گئی۔ اس کے قدم از خود سست ہو گئے اور دل تیز تیز دھڑکنے لگا۔

"اتنے نخروں سے چلو گی تو رات تک پہنچو گی۔"

وہ پلٹ کر بگڑے تیوروں سے کہہ رہا تھا وہ گھبرا گئی اس کے قدموں کی حرکت مقناطیسی انداز میں تیز ہو گئی۔

وہ جانے کن کن اونچے نیچے ٹیڑھے میڑھے راستوں پر اسے چلا رہا تھا ایک دو بار وہ اٹھے ہوئے پتھر سے ٹھوکر کھا گئی۔

"کیا شہر سے باہر ہے کال بوتھ؟" اس نے جھنجلا کر پوچھا۔ کب عادی تھی وہ اس طرح پیدل چلنے کی اور پھر راستے بھی نا ہموار تھے پتا نہیں یہاں کے لوگ روزان راستوں پر کیسے اتنا چل لیتے ہوں گے۔ اس نے جھنجلا کر سوچا مگر وہ اس بات سے بے خبر تھی کہ وہ جان بوجھ کر لمبے اور پر پیچ راستوں کا انتخاب کر کے اسے چلا رہا تھا۔ جانے کس طرح کا امتحان لینا اسے مقصود تھا۔ ایک تو اس سے غلطی ہو گئی تھی کہ اس نے گھر سے نکلتے وقت اپنے پیروں پر نظر نہ ڈالی تھی۔ عالیہ کے سادے سے ربڑ کے چپل پہن کر آ گئی تھی جو زیادہ چلنے پر انگوٹھے کی طرف سے ٹوٹنے کو تھے۔

"کیا مصیبت ہے۔ میں اسکوٹر گھسیٹ کر بھی تیز چل رہا ہوں اور تم سے اکیلا بھی نہیں چلا جا رہا۔" وہ اس کے بار بار رکنے پر اسے ڈپٹ رہا تھا۔

"ہاں نہیں چلا جا رہا مجھ سے۔" وہ دھپ سے ایک بڑا پتھر کے بنے ڈھیر پر بیٹھ گئی اور ٹوٹی چپل پیروں سے نکال لی۔

انسانیت نام کو نہیں ہے اس شخص میں۔ کس نے کہا تھا اسکوٹر ساتھ گھسیٹ لانے کا کام کی تو ہے نہیں۔

وہ اس کے یوں بیٹھ جانے پر حیران ہو گیا۔

"میں نے پہلے ہی کہا تھا بہت زیادہ پیدل چلنا ہو گا۔ تم امیر زادی کہاں چل پاؤ گی۔"

اور اس کا دل چاہا وہ ٹوٹی چپل پوری طاقت سے اس کے منہ پہ دے مارے۔

"ان راستوں پر تو کوئی غریب زادی بھی نہیں چل سکتی کجا تم۔"

وہ کھڑی ہو گئی اور آگے بڑھ گئی یہ دیکھے بغیر کہ معوذ شاہ کے لبوں کو بے ساختہ مسکراہٹ نے چھو لیا تھا۔

چھوٹی سی کال بوتھ میں لوگوں کا ہجوم تھا۔ جیسے سب کو آج ——— ہی ضروری فون یاد آ گئے تھے۔ مگر یہ بھی شکر تھا کہ عورت کا احترام کرتے ہوئے اس کی باری جلد آ گئی۔ اس نے بیتابی سے نمبر ملایا۔ بیل بجنے لگی مگر کسی نے ریسیو نہ کیا وہ کچھ دیر بیل سنتی رہی پھر لائن کاٹ کر دوبارہ نمبر ملایا تو تیسری بیل پر فلک شیر نے فون اٹھایا تھا جو ملازم لڑکا تھا۔ اس نے بتایا کہ مما اور ردا گھر پر نہیں ہیں۔ اس نے مایوسی سے ریسیور کریڈل پر رکھ دیا اور پلٹی تو بوکھلا گئی وہ عین اس کے پیچھے کھڑا تھا پہاڑ کی طرح اس کے پلٹنے پر جلدی سے پیچھے ہٹا اور جیب سے پیسے نکال کر کاؤنٹر پر رکھ کر اس کے ساتھ باہر آ گیا۔

مما اور ردا سے بات نہ ہونے پر اسے اداسی نے آن گھیرا۔

"کیا ہوا۔ بات نہیں ہوئی؟" اس کی گہری چپ کو محسوس کرتے ہوئے اس نے قدرے انسانیت سے پوچھا۔

"مما اور ردا گھر میں موجود نہیں تھیں۔" اس نے سر اٹھایا تو وہ اسے ہی بغور دیکھ رہا تھا۔ لمحہ بھر نگاہوں کا تصادم ہوا۔ مگر اس نے لب بھینچ کر بائیک سنبھال لی۔

"چلو بیٹھو۔" اس کے دو لفظوں نے اسے بری طرح چونکا دیا۔ وہ عجیب سی نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔ کس مزے سے وہ اسی بائیک پر براجمان تھا جسے ابھی آتے وقت اپنے ہمراہ گھسیٹ گھسیٹ کر لا رہا تھا۔

"کیا واپس بھی پیدل جانے کا ارادہ ہے۔" وہ استہزائیہ انداز میں ہنسا۔ "اب بیٹھ بھی چکو۔ مجھے اور بھی بہت سے کام کرنے ہیں۔ فارغ نہیں ہوں تمہاری طرح۔"

وہ کچھ نہ سمجھتے ہوئے بیٹھ تو گئی مگر بے حد غصے اور کوفت
ذہن کے ساتھ۔ دوسرے ہی لمحے بائیک فراٹے بھرنے لگی
اور اس کے اعصاب کو دھچکا سا لگا تھا۔
کتنا برا فراڈ کیا تھا اس نے اس کے ساتھ۔ بدتمیزی
کے سارے ریکارڈ توڑ دیے تھے۔
"تو تم مجھے آزما رہے تھے۔" وہ برہمی سے بولی تو وہ ہنس
دیا بڑی دل جلانے والی ہنسی تھی۔
"ارے میں کون ہوتا ہوں تمہاری آزمائش کرنے والا۔ آں
آں۔ سیدھی بیٹھو۔ گر جاؤ گی۔" اس نے سائڈ مرر سے اس
کے لال بھبوکا چہرے کو دیکھا۔
بائیک طوفان کی طرح اڑ رہی تھی۔ کس قدر مختصر راستہ
تھا اسے مانوس علاقہ جلد ہی نظر آ گیا۔
"میں تو بس یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ امیر زادیاں پیدل چلتی
ہوئی کیسی لگتی ہیں۔"
گھر کے سامنے بائک جھٹکا کھا کر رک گئی تھی۔ وہ نیچے
اتر آئی اور اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔
"تو پھر کیسی لگی۔ امیر زادی تمہارے ہمراہ پیدل چلتی
ہوئی۔" اس کے لہجے میں اور جملے میں جانے کیا تھا وہ خود
بھی حیران رہ گئی اور معوذ شاہ کی آنکھیں کئی پل اس کے
چہرے پر گڑی رہ گئیں۔
مگر یکدم ہی عینیہ کو محسوس ہوا جیسے اس نے کوئی بہت
غلط جملہ بول دیا ہے معوذ شاہ کی نگاہوں نے اسے خجل کر
دیا اس کی پلکیں لرز کر جھک گئیں۔
"اچھی لگی۔" اس نے بہت آہستہ سے بڑبڑانے والے
لہجے میں کہا مگر وہ سن نہ سکی تو چپ سے گیٹ کے اندر جا کر
کہیں غائب ہو چکی تھی۔
اور اس دن سے وہ جانے کیوں معوذ شاہ سے کترائی کترائی
رہی جیسے اس کے اندر کے چور کو پکڑ لیا ہو — اور یہ بھی
اچھا تھا کہ وہ ایگزام کے باعث سارا سارا دن کمرے میں بند
رہتا۔ رات بھی دیر دیر تک اس کے کمرے کی بتی جلتی رہتی۔
پھوپھا اپنے اس اکلوتے بیٹے پر جان چھڑکتی تھیں۔ ان دنوں
جب دیکھو کبھی اس کے کمرے میں تیل کی شیشی لے کر جاتیں۔
کبھی گرم گرم ہلدی والا دودھ لیے اندر جاتیں۔ مقوی دماغ
کے لیے سارے گر آزما رہی تھیں آخر کو وہ مقابلے کا
امتحان دے رہا تھا۔

اس دن وہ گرل سے لگی صحن کی دیواروں سے اترتی
دھوپ کو بے مقصد تکے جا رہی تھی۔ عالیہ کے دھلے کپڑے
رسی پر جھول رہے تھے ان سے ٹپ ٹپ پانی گر کر فرش پر پھیل
رہا تھا۔ تبھی سارا پچھواڑے سے پائپ کھینچتی صحن میں آئی۔
"وہاں کیوں کھڑی ہو عینیہ آپی!" وہ نل میں پائپ
کا ایک حصہ لگا کر جھاڑو اٹھا کر صحن میں دھونے لگی۔
"آج میں دھوؤں گی تمہارے ساتھ صحن۔" وہ پانی دیکھ
کر بچوں کی طرح خوش ہو گئی اور گرل کھول کر باہر آ گئی۔
"تم۔ آپی۔ نہیں نہیں۔"
"کیوں میں کوئی غیر ہوں اور پھر یہ تو اتنا مزے دار
کام ہے اور آسان بھی۔" وہ اس کے ہاتھ سے پائپ لے
کر پانی کا چھڑکاؤ کرنے لگی اور سارا کے نہ نہ کرنے کے
باوجود اس کے ہاتھ سے جھاڑو لے کر صحن دھونے لگی۔ اور سارا
اس کے شوق کو دیکھ کر چپ رہ گئی۔
صحن آئینہ کی طرح چمکنے لگا تھا۔ پانی تو یونہی زمین
ٹھنڈی رکھنے کے لیے ڈالا جاتا تھا۔ یوں وہ دھو کم رہی تھی
پانی کی بوچھاڑ میں بھیگ زیادہ رہی تھی۔ خود پر اور سارا پر
ڈھیر سارا پانی ڈالا تو وہ سارا تو گھبرا کر پیچھے ہٹ گئی تھی۔
"آپی! تم تو دیوانی ہو رہی ہو۔" سارا اس کے پاگل پن
پر ہنس رہی تھی۔ مگر وہ موج میں تھی اور جنید جمشید کی
کیسٹ کا خوبصورت گیت "نظر" گنگنائے جا رہی تھی۔

نظر سے جب نظر ملے
تم اپنی نظریں جھکا لینا
پلکوں میں دل کو چھپا لینا
بس اک لمحے کی بات ہے
وہ لمحہ بچا لینا
پلکوں میں دل کو چھپا لینا
جو مزا ہے سننے میں وہ بھلا ہے کہنے میں کہاں
جو جھکانے میں ہے جھک جانے میں کہاں
جاگو گے تو مانو گے
دل کہے گا ایسا نہ ہو وہ نظریں واپس نہ آئیں
اور وہ کسی کی ہو جائیں
دل کا کہنا مان کر تم ہار نہ جانا
نظر سے جب نظر ملے
تم اپنی نظریں۔۔۔

اس کی زبان کو یک دم بریک لگا تھا۔ وہ دونوں

ہتھیلیاں دریچے کی چوکھٹ پر ٹکائے مسلسل اس کی طرف متوجہ تھا۔ اسے دیکھ کر اور گھور زیادہ رہا تھا۔ گویا وہ ڈسٹرب ہوا تھا۔ وہ بری طرح خجل ہو گئی۔ اسے اپنی آواز کی بلندی کا اچھا خاصا اندازہ تھا جب موج میں ہوتی تو بقول ردا کے سرونٹ کوارٹرز کے بھی ریڈیو بند ہو جاتے ہیں۔

اس نے آہستگی سے پائپ کا منہ کیاری میں ڈال دیا اور خود کو ملامت کرتی کھڑی ہو گئی۔ بالکل بچوں کی سی حرکت کر بیٹھی تھی اب ایسا بھی نہ تھا کہ پانی پہلی بار دیکھ لیا تھا پھر بھی جانے کیوں وہ بچی بن گئی تھی۔

"پانی بند کر دوں کیا آپی؟" سارا اس موجودہ صورتحال سے بے خبر دور سے پوچھ رہی تھی معوذ شاہ کی نگاہیں ذرا اپنا زاویہ بدل لیتیں تو وہ شاید پلٹ کر اسے جواب دے دیتی مگر وہ تو بہت ایک زاویے پر فٹ تھیں۔ وہ سر جھکائے جھکائے گرل کی طرف بڑھ گئی اور گرل کھول کر جھپاک سے اندر بھاگ لی۔ کپڑے سارے بھیگ چکے تھے۔ وہ اندر کی طرف بڑھی مگر پھر دروازے پر جیسے جم سی گئی۔

نسرین پھوپھو جانے کیا کہہ رہی تھیں۔ ہاں اتنا وہ سمجھ گئی کہ ان کے لہجے میں اسے بہو بنانے کی خواہش جھلک رہی تھی۔ اور ان سے باتیں کرنے والی یقیناً عالیہ تھی اس کی ہنسی کی آواز اسے سنائی دی تھی۔

"چھوڑیں امی کہاں ہم اور کہاں ماموں جان کا ہائی اسٹینڈرڈ بھلا ٹاٹ میں مخمل کا پیوند بھی لگتا ہے۔"

وہ امیری غریبی کے فرق کو مخصوص رٹے رٹائے فقرے میں فٹ کرتے ہوئے بولی اور حقیقتاً اسے دکھی کر گئی۔

اس کے دل میں اک تیر سا پیوست ہو گیا۔

تو وہ اب بھی ان سے اتنی ہی دور کھڑی تھی لاکھ کوشش کے باوجود اس فرق کو نہ مٹا پائی تھی۔

"اب ہمارے حالات پہلے جیسے تو نہیں رہے اور پھر معوذ شاہ بھی تو سی ایس ایس کا امتحان پاس کرے گا۔"

پھوپھو کے لہجے میں امید کی لو تھرتھرا رہی تھی۔ مگر شاید عالیہ انہیں معدوم کرنے کا تہیہ کر چکی تھی۔

"ٹھیک ہے امی! سب ممکن ہے مگر جب معوذ بھائی ہی راضی نہیں تو پھر۔ آپ تو جانتی ہیں انہوں نے ابھی تک عینی سے سیدھے منہ بات تک نہیں کی اور آپ ہیں کہ۔"

عالیہ نے پھوپھو کو ہی نہیں اسے بھی ناامیدی کی تاریکی میں دھکیل دیا۔

اس نے کرب سے لب دانتوں میں دبا لیے۔

کتنے ناممکنات میں گھر گئے تھے اس کے سارے خواب۔ لوگ تو گمشدہ ممالک دریافت کر لیتے ہیں۔ کیسی کیسی بلند پہاڑیوں کو سر کر لیتے ہیں۔ ایک وہ تھی ایک دل فتح نہ کر پائی تھی ایک بند دروازے کا قفل نہ توڑ سکی تھی۔ اس کے دل میں ایک مضمحل سی فضا چھا گئی۔

عالیہ اور پھوپھو اس موضوع سے ہٹ کر دوسری باتیں کر رہی تھیں تب وہ اندر آ گئی۔

"ارے رے۔ یہ تم کیوں بھیگی ہوئی ہو؟"

"بارش جو ہوئی ہے۔" وہ مسکرائی (اسے بھی کمال حاصل تھا اپنے اندر کے موسموں پر نقاب چڑھانے میں)۔

"ہائیں بارش ہوئی ہے اور میں نے تو ابھی کپڑے پھیلائے ہیں میرے خدا۔" عالیہ گھبرا کر کھڑکی کی طرف بڑھی کہ سارا اندر آ چکی تھی بولی۔

بارش وارش کوئی نہیں ہو رہی۔ آپی نے آج صحن دھویا ہے۔

"ایں۔ اس نے کیوں دھویا۔ تم کیا کر رہی تھیں؟" پھوپھو پریوں خفا ہونے لگیں جیسے اس نے کوئی عینیہ جمشید کو پہاڑ کھودنے کا کام سپرد کر دیا تھا۔

"ارے پھوپھو صحن دھویا کہاں ہے بس پانی سے کھیلتی رہی تھی۔"

اس نے یہ کہہ کر سارا کی مشکل آسان کر دی اور عالیہ کی الماری سے اپنے لیے کوئی جوڑا نکالنے لگی۔ تب عالیہ نے آگے بڑھ کر ایک خوبصورت ڈبل جارجٹ کا سوٹ نکال کر اسے دیا۔

"یہ پہن لو۔" اور تب اس نے اسے بری طرح گھورا۔

"تمہاری بارات میں نہیں جا رہی ہوں جو یہ پہنوں۔"

"میری بارات تو آئے گی۔ تمہیں جانے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔" عالیہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

"بڑا انتظار ہے بارات کا۔" وہ ایک سادا سا جوڑا نکال کر باتھ روم کی جانب بڑھ گئی۔

"عینیہ! عالی کہہ رہی تھی تمہاری ربیعہ بھابھی سے بات نہیں ہو سکی تم معوذ کے ساتھ آج جا کر فون کر ہی آؤ۔ بات ہو جائے تو اچھی بات ہے۔ پھر تم سے کوئی ناراضگی نہ ہو جائے۔"

وہ باتھ روم کے دروازے پر رک گئی۔

اب فون اتنا ضروری بھی نہیں تھا کہ وہ اس شخص کے ہاتھوں پھر اس خواری کو دہراتی۔ ان تیغ صفت نگاہوں کا

بوجھ اضافی۔ عزت نفس سے بھی عزیز تھی۔ وہ پھوپھو کی تسلی کے لیے یونہی سر ہلا کر باتھ روم میں چلی گئی۔

آتے جاتے پھوپھو اسے بار بار یاد دلاتیں کہ وہ جا کر فون کر آئے۔ مگر اسے بھی بہانا مل گیا معوذ کے ایگزام کی مصروفیات کا۔

"معوذ بھائی کو ڈسٹرب کرنا مناسب نہیں ہے پھوپھو اور مجھے پھر کون سی جلدی ہے۔ ان کے ایگزام کے بعد کر آؤں گی۔"

اور پھوپھو مطمئن ہو گئیں۔ مگر اس نے محسوس کیا کہ خود اس کا اطمینان ہوا ہو گیا ہے۔ اس نے حساب لگایا تو اسے وہاں پورے بیس دن ہو گئے تھے اور عما اس کے اس اقدام سے نالاں ہونے کے باوجود اس قدر سکون سے کیسے بیٹھی تھیں۔ وہ جو ایک دن کے لیے بھی اسے پھوپھو کے گھر بھیجنے پر تیار نہ تھیں اب اتنے دنوں کے لیے کیسے صبر آ گیا ہے۔ رستم خان کو بھی صرف ایک بار ہی بھیجا تھا۔

کئی سوچیں کئی وسوسے اس کے ذہن و دل پر دستک دیتے رہے اور وہ مزید ان سوچوں سے خوفزدہ نہیں رہنا چاہتی تھی سو اس دن عالیہ کو ساتھ لیے کال بوتھ آ گئی۔

"ویسے حیرت ہے عینی کہ عما فی جان نے بار بار تمہارا بلاوا نہیں بھیجا۔" عالیہ کے لہجے میں حیرانگی تھی۔

وہاں ان کی خاموشی ہی تو تشویش کا باعث بنتی جا رہی تھی اس کے لیے خدا کرے جو وہم میرے دل پر دستک دے رہے ہیں وہ محض واہمے ہی ثابت ہوں۔)

اس بار فون روا نے ہی ریسیو کیا تھا وہ اس کی آواز سن کر خوش ہو گئی جبکہ روا بلک اٹھی۔ اس کا دل جو ابھی خوشی بھی ڈھنگ سے نہ منا سکا تھا دہل گیا۔

"کیا ہوا روا۔؟"

"تمہیں تو کچھ خبر ہی نہیں عینیہ۔ یہاں کیا کچھ بیت گیا ہم پر۔ عینی ایک پہاڑ ہم پر ٹوٹا ہے اس کے ملبے تلے ہم، ہمارے سارے خواب، ساری خوشیاں دب گئی ہیں۔"

وہ بچوں کی طرح بلک رہی تھی اور عینیہ انکشاف کے آتش فشاں دہانے پر کھڑی لرز رہی تھی۔

"پاپا حراست میں ہیں اور احمد بھائی اور بھابھی لندن چلے گئے ہیں مجھے اور عما کو بے سہارا چھوڑ کر۔ پاپا کی ساری جائیداد حکومت نے ضبط کر لی ہے۔ یہ کوٹھی بھی شاید۔" وہ رو رہی تھی سب کچھ لٹ جانے پر ماتم کناں تھی۔

"عما پر دوبارہ ہارٹ اٹیک ہوا ہے۔ وہ بمشکل خود کو سنبھالے ہوئے ہیں عینی! ہم کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہے۔ پھوپھو کے پاس آنے کا کئی بار سوچا مگر عما کو احساس جرم آنے نہیں دیتا۔"

"مجھے گاڑی بھیجو روا! میں آنا چاہتی ہوں۔"

وہ بمشکل حلق سے آواز کھینچ لائی۔ اور آہستگی سے سر اٹھا کر دیکھا۔ یہ بھی اچھا تھا عالیہ اس سے دور کھڑی سڑک کی طرف منہ کیے بھاگتی دوڑتی گاڑیوں کا کھیل دیکھ رہی تھی۔

اس نے ریسیور رکھ کر خود کو سنبھالا۔ اس کے سارے وہمے خوفناک انداز میں سچ ثابت ہو گئے تھے۔

اس کی طرف سے عما کا تغافل کا جواب ایک بڑا طوفان تھا۔ اس کا دل چاہا وہ کاؤنٹر پر سر ٹیک کر بار بار روا کی طرح بلک بلک کر رو دے۔

کتنی بے فکر، اپنے آپ میں مگن یہاں دن گزار رہی تھی۔ اور عما روا اور پاپا پر کیسے کیسے پہاڑ ٹوٹے تھے۔

"کیا ہوا؟ کوئی بات ہو گئی؟" عالیہ اس کے قریب آ گئی۔

"ہوں۔" اس نے محض سر ہلانے پر اکتفا کیا۔ اور اس کے ساتھ کال بوتھ سے نکل آئی۔

کتنے قریب تھی عالیہ اس سے۔ مگر وہ یہ نہیں کر سکتی تھی کہ اس کے شانے پر سر رکھ کر آنسو بہا ڈالے اسے اس اندوہناک حادثے کی اطلاع دے۔ یہ سارا گھرانہ ان کا ہمدرد تھا مگر وہ عما کی ساکھ کو کیسے دھڑام سے گرا دیتی۔ پاپا کی عزت کا پاس اسے ہر حال میں کرنا تھا ان کے اپنے دکھ تھے اور انہی کو سہنے تھے۔

پاپا نے پہلی سیڑھی پر ہی غلط قدم رکھا تھا کب تک نہ لڑکھڑاتے اور پھر بہتا اوپر جانے کے بعد تو ہوا کا معمولی جھونکا بھی بلا جاتا ہے۔ پاپا اور عما نے یہ سب کچھ کیوں نہیں سوچا تھا۔ وہ کیوں ہوا پر تاج محل بنا کر مطمئن ہو گئے تھے۔

وہ رات چادر میں منہ چھپا کر بے آواز روتی رہی۔ اس سے پہلے بھی کچھ نہ چھپا ہوا تھا۔ احمد بھائی کا اسلحہ کا کاروبار۔ پاپا کا ناجائز بزنس اور لین دین۔

"دولت یونہی حاصل ہوتی ہے جان۔" عما اس کی ناراضگی اور خفگی پر اکثر ہی یہ کہہ دیا کرتی تھیں۔ "تمہارے پاپا محنت ہی تو کر رہے ہیں۔"

اور یہی اسے رونا تھا کہ اپنی محنت وہ محض ضائع کر رہے ہیں کھوکھلی بنیاد رکھ کر وہ مضبوط عمارت بنانے کی سر توڑ کوشش کر رہے ہیں۔

اور آج بھی اسے رونا آ رہا تھا بہت بہت زیادہ۔

سب کچھ لٹ جانے پر نہیں بے عزت ہو جانے پر۔

عیش و عشرت سے ہاتھ دھو بیٹھنے پر نہیں۔ اپنی نظروں

میں گر جانے پر۔

وہ روا اور حما کے پاس پہنچنے کے لیے بیتاب ہو رہی تھی اسے رستم خان کا انتظار تھا کب روا اسے بھیجتی ہے مگر دو دن اور گزر گئے تھے۔

روا بھول تو نہیں گئی۔ جانے اب کیا ہو گیا ہو گا۔ حما کی طبیعت تو۔ طرح طرح کے واہمے اسے خوفزدہ کر رہے تھے۔

وہ چاول دم کرتے ہوئے مسلسل پریشان تھی۔ عالیہ اور سالار محلے میں قرآن خوانی میں گئی تھیں اسے بھی چلنے پر اصرار کیا تھا مگر اس نے انکار کر دیا تھا۔ پیچھے کے تو سر میں صبح سے درد تھا وہ اپنے کمرے میں بند تھیں۔ اور وہ معوذ شاہ کے لیے لنچ تیار کر رہی تھی وہ اپنا آخری بوجھ اتار کر آیا تھا بے حد تھکا ہوا مگر سرشار۔

"عالی! ٹھنڈا پانی دو بھئی" وہ باورچی خانے کے دروازے پر آ رکا۔ مگر چونک گیا۔ وہ عالیہ کے کپڑوں میں ملبوس تھی۔

وہ پلٹی تھی اور ٹھنڈے پانی سے بھرا گلاس اسے تھما کر قطعی بے نیازی سے دوبارہ اپنے کام میں مصروف ہو گئی تھی۔ کبھی چاولوں کو دیکھتی کبھی سالن کی دیگچی کا ڈھکن اٹھا کر چمچہ ہلاتی وہ عجیب نظروں سے اسے کام کرتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔

اس نے عالیہ سے بہت کچھ سیکھ لیا تھا۔ بڑی نفاست سے کباب تل کر ٹرے میں رکھے کاغذ پر ڈالتی جا رہی تھی۔ اس کام سے فارغ ہو کر وہ اس کے قریب گزر کر باہر رکھی ٹیبل پر کھانا چننے لگی۔

اس کی حیرانگی اور نگاہوں کی تپش کو محسوس کرتے ہوئے بھی انجان بنی رہی۔ ان کے درمیان کون سے خوشگوار تعلقات تھے اور پھر اسے بھی اپنی ناک عزیز تھی۔

وہ منہ ہاتھ دھو کر کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا تھا اور کھانے سے انصاف کرنے لگا جب وہ چائے بنا کر اس میز پر رکھ گئی تب وہ کھا چکا تھا اور جیسے ہی ہاتھ دھو کر تولیے سے پونچھتا اس کی طرف آ گیا۔ وہ اب اسی بے نیازی سے چیزیں سمیٹ رہی تھی۔

"سنو۔"

عینیہ جمشید کے تیزی سے حرکت کرتے ہاتھ ایک ٹوکو ساکت ہو گئے تھے۔ مگر دوسرے ہی لمحے وہ جیسے سماعت کا دھوکا سمجھ کر باورچی خانے کی طرف بڑھی مگر وہ اس کی راہ میں حائل ہو گیا۔

"تم واقعی یہاں خوش اور مطمئن ہو یا محض پوز کر رہی ہو؟" اس نے کئی دنوں کی الجھن کو بالآخر زبان دے دی۔ اور اس کے دل میں ایک ساتھ کئی تیر ترازو ہو گئے۔

(آخر تم مجھے کب سمجھو گے معوذ شاہ! مجھے مستقل ہونے کے لیے اور کتنا عرصہ درکار ہو گا۔)

"مجھے آخر سوانگ رچانے کی ضرورت کیا ہے" وہ زچ ہو کر قدرے تڑخ کر بولی تھی۔

"میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تم اتنے چھوٹے سے گھر میں آسائشوں کے بغیر کیسے اور کیوں مطمئن اور پرسکون رہ سکتی ہو۔ وہ بھی ایک تعمیر کی راہ میں گم تھا اور ہنوز الجھی نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

(میں مطمئن کہاں ہو سکی ہوں۔ سکون پاتے پاتے پھر تباہ حال میں آ کر اپنا سب کچھ داؤ پر لگا بیٹھی ہوں۔)

اس نے باورچی خانے کی سلیب پر چیزیں رکھ دیں۔ وہ اس کے پیچھے باورچی خانے کے دروازے پر جم گیا تھا راستہ ٹلنے کے لیے۔

"معوذ شاہ!" وہ پلٹی "سکون بلند یا پست دیواروں میں نہیں ہوتا۔ اونچے محل کارپٹ سے سجے کمرے کسی کی خوشیوں کی ضمانت نہیں ہوتے اور نہ چھوٹے گھر صرف دکھوں کا گہوارہ ہوتے ہیں۔ سکون کی تلاش انسان کو حویلیوں سے مزاروں پر بھی لے جاتی ہے اور آسمان کی وسعتوں سے زمین پر کھینچ لاتی ہے۔ اس گھر میں میرے لیے سب کچھ ہے۔ محبت، خلوص، وفا، مسکراہٹیں اور یہ سب مل کر ہی سکون فراہم کرتی ہیں ناں شاہ!" اس نے معوذ شاہ کے چہرے کی طرف دیکھا جو تنا ہوا تھا۔

"پوز کرنے کے لیے تو کمال حوصلہ اور بہت ضبط چاہیے معوذ شاہ اور ——— نہ میرے پاس اتنا ضبط ہے اور نہ کوئی ایسی غرض۔"

وہ اپنی شکست کے ڈھیر سارے آنسو حلق میں ہی اتار کر اس کے قریب سے گزر کر جانے لگی کہ اس کی کلائی اس کی مضبوط ہتھیلی کے شکنجے میں آ گئی۔

"میں کیسے مان لوں یہ سب؟" وہ اسے اب خالی نظروں سے تک رہا تھا۔ اس نے پلکیں جھکا لیں۔

(اب میرے پاس تمہارے یقین کے لیے ایسے کوئی لفظ نہیں ہیں نہ کوئی دلیل۔) وہ اس کی گرفت سے نکل آئی اور بری طرح چونکی تھی۔ رستم خان کی گاڑی کا ہارن زور زور سے بجا تھا۔

روا نے گاڑی بھیجی تھی اس کے لیے۔ وہ پیروں میں چپل ڈالے بغیر باہر کی سمت بھاگی مگر گرل کے پاس ہی ٹھٹک گئی

کے دل میں ایک ساتھ کئی تیر ترازو ہو گئے۔

"آخر تم مجھے کب سمجھو گے معوذ شاہ! مجھے ...
لیے اور کتنا عرصہ درکار ہو گا۔"

"مجھے آخر سوانگ رچانے کی ضرورت کیا ہے ...
کر قدرے تڑخ کر بولی تھی۔

"میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تم اتنے مجرے کے گھر میں ...
تلت میں کیسے اور کیوں مطمئن اور پرسکون رہ سکتی ہو ...
تک تحیر کی راہ میں گم تھا اور ہنوز الجھی نظروں سے اسے ...
تھا۔

"میں مطمئن کہاں ہو سکی ہوں۔ سکون پاتے پاتے ...
میں آ کر اپنا سب کچھ داؤ پر لگا بیٹھی ہوں۔"

اس نے باورچی خانے کی سلیب پر چیزیں رکھ ...
وہ اس کے پیچھے باورچی خانے کے دروازے پر ...
ٹلنے کے لیے۔

"معوذ شاہ!" وہ پلٹی "سکون بلند یا پست ...
نہیں ہوتا۔ اونچے محل کارپٹ سے سجے کمرے کسی کی خوشی ...
کی ضمانت نہیں ہوتے اور نہ چھوٹے گھر صرف دکھوں کا ...
ہوتے ہیں۔ سکون کی تلاش انسان کو حویلیوں سے ...
بھی لے جاتی ہے اور آسمان کی وسعتوں سے زمین پر ...
ہے۔ اس گھر میں میرے لیے سب کچھ ہے۔ محبت، خلوص ...
مسکراہٹیں اور یہ سب مل کر ہی سکون فراہم کرتی ہیں۔"
نے معوذ شاہ کے چہرے کی طرف دیکھا جو تنا ہوا تھا۔

"پوز کرنے کے لیے تو کمال حوصلہ اور بہت ضبط ...
معوذ شاہ اور ——— نہ میرے پاس اتنا ضبط ہے ...
کوئی ایسی غرض۔"

وہ اپنی شکست کے ڈھیر سارے آنسو حلق میں ...
کر اس کے قریب سے گزر کر جانے لگی کہ اس کی کلائی ...
مضبوط ہتھیلی کے شکنجے میں آ گئی۔

"میں کیسے مان لوں یہ سب؟" وہ اسے اب خالی نظروں ...
تک رہا تھا۔ اس نے پلکیں جھکا لیں۔

"اب میرے پاس تمہارے یقین کے لیے ایسے کوئی ...
نہیں ہیں نہ کوئی دلیل۔" وہ اس کی گرفت سے نکل ...
بری طرح چونکی تھی۔ رستم خان کی گاڑی کا ہارن زور ...
بجا تھا۔

روا نے گاڑی بھیجی تھی اس کے لیے۔ وہ پیروں ...
ڈالے بغیر باہر کی سمت بھاگی مگر گرل کے پاس ہی ...

گیٹ معوذ شاہ کھلا ہی چھوڑ آیا تھا اور اس کے دروازے سے روا اور حما اندر داخل ہوتی نظر آئیں۔ معوذ شاہ اس کے پیچھے اس سے بھی زیادہ متحیر کھڑا تھا۔

"عینی!" روا اس سے لپٹ گئی اس کی آنکھیں لال ہو رہی تھیں اور چھلکنے کو بے تاب۔ اس نے روا کے شانے کے پار حما کو تحیر آمیز بے یقینی سے دیکھا۔

وہ تھکے تھکے وجود کو جیسے گھسیٹ کر لائی تھیں۔ مضمحل چہرا اور بے خواب آنکھیں جن کے گرد سیاہ دائرے ان کا سارا دکھ از خود بیان کر رہے تھے۔

نسرین پھوپھو کو اطلاع اپنے کمرے میں جاتے جاتے معوذ شاہ نے دی تھی وہ بغیر چپل بھاگ کر باہر آئیں اور اتنے برسوں کے فاصلوں کو نظر انداز کرتی حما کی طرف لپکیں۔

"مجھے تو یقین نہیں آ رہا بیٹا کہ تم میرے گھر آئی ہو۔ آؤ آؤ روا آؤ ... بیٹھو۔"

نسرین پھوپھو کا بس نہیں چل رہا تھا۔ وہ حما کو بازوؤں میں اٹھا کر اندر لے آئیں۔ حما آس پاس سے بے نیاز آہستہ قدموں سے چلتی اندر آ گئیں اور پھر بے اختیار پھوپھو سے لپٹ گئیں۔

"نسرین! ندامت کا اتنا بھاری بوجھ تھا میرے کاندھوں پر کہ قدم نہ اٹھتے تھے اس طرف۔ کس طرح خود کو کھینچ کر لائی ہوں۔"

وہ مغرور سی حما کس قدر ٹوٹ ٹوٹ کر بکھری تھیں۔

اور بکھر بکھر کر جڑ رہی تھیں۔

وہ روا کو بازو سے لگائے ایک طرف کھڑی حما کی تھکن کو محسوس کر رہی تھی۔

محبت اور اخلاص کی مورتی نسرین پھوپھو نے انہیں بٹھا کر ٹھنڈا پانی پلایا۔ کوئی شکوہ کوئی پرانے گلے ان کی نوک زبان پر نہ آئے تھے بس حما ہی ہولے ہولے رو رہی تھیں۔

جانے یہ ندامت کے اشک تھے یا اس ساتھ پر بہے جا رہے تھے جو کچھ روز قبل ان پر ٹوٹا تھا۔ جب بہت رو چکیں تو صوفے کی پشت پر سر ٹیک کر آنکھیں موند لیں۔

نسرین پھوپھو انہیں حیرت اور محبت سے تکے جا رہی تھیں۔

"پھوپھا لیا اور سارا انظر نہیں آ رہیں۔" روا کا کانونٹ زدہ مغرور لہجہ بے حد سادہ تھا اس نے چونک کر اسے دیکھا۔

(جب انسان از خود بدلنے کو تیار نہ ہو اپنی غلطیوں پر خود سوچنے کو تیار نہ ہو تو قدرت خود ہی انتظام کر لیتی ہے کسی بڑے حادثے کی صورت۔)

روا کے بدلے ہوئے اس روپ کے پیچھے گو کہ ایک المناک کہانی

پیاری بہنوں کے
خوبصورت پنیے، خواتین کا دست
مکرامے، پن ورک تھریڈ ورک
حنا کشیدہ کاری، حنا پن ورک
گیت، مہندی کے ڈیزائن
رنگ کتاب کلب کی ۴ اور
بھرپور کتابیں شائع ہو گئی
بیوٹی بکس — قیمت
اس کتاب کو آپ خوبصورت
تصویروں سے مزین خوبصورت
میں بہترین معلوماتی کتاب
سکتی ہیں۔ ورزشیں کیا کی
رنگا رنگ کھانے —
لذیذ، چٹ پٹے اور مزیدار کھانے
خود کھائیے گھر والوں کو کھلائیے
پھر کبھی ہاتھ نہ آئے گی۔ ایک
بیکری گائیڈ — قیمت
کیا آپ نے کبھی سوچا کہ ہم جو
کم پیسوں میں اس سے صاف
گائیڈ آپ کی بہترین مددگار
ساتھ دو رنگا کتاب بیکری گائیڈ
چائنیز کھانے — قیمت
روزمرہ کے کھانوں سے دل اکتا
چائنیز کھانے ڈائننگ کرنے کیلئے
یہ مسئلہ بھی کتاب چائنیز کھانے
ترکیبیں یقیناً اور کسی کتاب میں
نوٹ
یہ چار کتابیں اگر آپ
نہیں لیا جائے گا جبکہ ایک
گا۔ چاروں کتابیں ایک سا
روانہ کریں یا کتابیں وی پی
ایک یا دو کتابیں منگ
ڈاک خرچ بھی بھجوائیں۔
رنگا رنگ کتابیں

چھپی تھی مگر اسے اس کا یہ انداز اچھا لگا۔

"وہ دونوں تو پڑوس میں قرآن خوانی میں گئی ہیں بس آتی ہی ہوں گی تم لوگوں کو دیکھ کر بہت خوش ہوں گی۔ ربیعہ کچھ کھاؤ گی پیو گی تم؟"

ان کی ساری توجہ پھر نڈھال سی حما پر چلی گئی ان کی اس حالت نے ان پر بھی تشویش کے کئی در کھول دیے تھے مگر وہ کسی طرح کی کرید سے گریزاں رہیں۔

حما نے اپنی سرخ آنکھیں کھول دیں۔

"مجھ سے کوئی شکوہ شکایت نہیں کرو گی نسرین؟"

نسرین پھوپھو نے ان کی طرف دیکھا اور یقیناً یہی سوچا ہوگا کہ بندہ جب از خود اپنی کوتاہیاں تسلیم کر رہا ہو تو شکایات بے معنی ہو جاتی ہیں۔

"نہیں ربیعہ! شکایت کیسی۔ تم سے بیٹی کو میرے گھر بھیج دیا یہ تمہارا "... کی دلیل ہی تو ہے۔" حما کے چہرے پر کرب پھیل گیا۔ نفیسہ نے چہرہ جھکا لیا۔

وہ حما کی نگاہوں کی اس قدر بے چارگی اور ٹوٹنے کے اس عمل کی اذیت کو کہاں برداشت کر سکتی تھی۔

عالیہ اور سارا آئیں تو واقعی حیران رہ گئیں۔ دادا اور حما ان سے محبت سے ملی تھیں اور جو بابا کے پاس تو جیسے خلوص اور محبت کا ایک خزانہ تھا۔

رات کے کھانے پر پھوپھو نے خوب اہتمام کیا تھا وہ بار بار پوچھ رہی تھیں کہ جمشید اور احمد کیوں نہیں آئے مگر ہر بار ان کے سوال پر حما خاموش ہو جاتیں اور پھر کچھ سوچ کر پھوپھو بھی چپ ہو گئیں۔ کھانا کھانے کے بعد دادا اس کے پاس بیٹھے۔

"عینی! یہ معوذ بھائی ریڈ رو ہیں یا ہم سے ناراض ہیں؟"

اس نے سر اٹھا کر بے اختیار سامنے دیکھا وہ اپنے انداز میں سارے جہاں کی اجنبیت لیے ہوئے تھا۔ پھوپھو اسے حما کے پاس بیٹھنے کو کہہ رہی تھیں۔

"مجھے نیند آ رہی ہے امی۔" وہ کمرے کی طرف بڑھا حما کو آنکھوں میں نیند کا شائبہ تک نہ تھا۔

"مجھے لگتا ہے یہ ہم سے ناراض ہیں۔" دادا خود ہی نتیجہ اخذ کر رہی تھی وہ لمحہ بھر ٹھٹکا تھا۔ اور وہ اس کا فائدہ اٹھا گئی۔

"وہ تو اپنے آپ سے ناراض ہیں دادا۔ ہم نے کونسا جرم کیا ہے؟"

کچھ تو اسے بھی حساب بے باق کرنا تھا۔ وہ پلٹا تھا اس پر ایک انگارا نگاہ ڈالی اور کمرے میں جا کر دروازہ دھاڑ سے بند ہو گیا اور جانے کیوں نفیسہ جمشید کو محسوس ہوا جیسے اس نے اپنے دل کا دروازہ اس طاقت سے بند کر دیا تھا۔

وہ آہستگی سے اپنی جگہ سے اٹھ گئی۔

رات حما اپنا دکھ پھوپھو کے سامنے کھول رہی تھیں۔

"احمد تو اپنی بیوی کے ہمراہ لندن بھاگ گیا ہے۔ اب کبھی نہیں آئے گا۔ اب اس کا تو مجھے بھی علم نہ تھا کہ وہ اسلحہ ایکسپورٹ امپورٹ کرتے ہیں۔"

حما کو بہر حال اپنی پوزیشن صاف رکھنی تھی۔ یہ ان کی مجبوری تھی۔ ورنہ۔ یہ کوئی معمولی بات تو نہ تھی کہ چھپی رہتی۔

"مگر جمشید۔" اس نے پھوپھو انگ انکشافات کے بگولوں کی زد میں تھیں۔

"جمشید حراست میں ہے۔ اب کوٹھی بیچ کر ہی ان کی ضمانت ہو گی ہم تو کسی کو منہ دکھانے کے قابل بھی نہ رہے۔ میرے بھائی صاحب نے بھی اس طرح منہ پھیر لیا ہے جیسے ان کا رشتہ مجھ سے نہیں میری دولت سے تھا۔ اور میں بھی کتنی پاگل تھی نسرین۔ سچے اور پاک جذبوں کی قدر نہ کرتے ہوئے ان رنگوں کی طرف دوڑتی رہی جو ناپائیدار تھے پل بھر میں اتر جانے والے تھے۔ اچانک بہت سی آئی دولت ہوش و خرد سے بیگانہ کر دیتی ہے نا۔ اپنوں سے دور کر دیتی ہے نا۔ آہ۔ برائی کی پہلی اینٹ پر بنی عمارت بھلا بے اعتبار نہ ہو گی تو کیا ہو گی۔"

وہ اپنی نداموں کی پٹاری سے ایک ایک جرم نکال کر پھوپھو کے سامنے پیش کر رہی تھیں اور پھوپھو دریا دلی سے تسلیوں کے پھاہے رکھے جا رہی تھیں۔

وہ لان کے بڑے بڑے ڈیزائن میں منہ پھنسائے صحن کے گھپ اندھیرے کو بلا وجہ ہی گھورے جا رہی تھی۔ حما کی آواز کسی پگھلے ہوئے سیسے کی طرح اس کی سماعتوں پر گر رہی تھی۔

"کب ہو گی جمشید کی ضمانت۔؟"

"کوٹھی کے خریدار تو مل گئے ہیں ایک ہفتہ تو لگ جائے گا۔ دولت تو گئی سو گئی عزت کی چادر بھی یوں سر سے اتر جائے گی سوچا بھی نہ تھا۔"

حما کی سسکیاں ابھرنے لگیں۔ پھر۔ آہستہ آہستہ معدوم ہو گئیں یا شاید حما نے ہی اس کمرے کا دروازہ بند کر دیا تھا۔ وہ چونکی جب مانوس سی خوشبو اس کے بالکل

پاس سے اٹھی تو وہ اس کی ـــــ بے بسی اور اس کہانی پر بہت خوش ہو کر اس کے تاثرات جاننے آیا تھا۔ ہاں بیچ چوراہے پر نکل آئیں تو سب ہی سر اٹھا کر دیکھتے ہیں۔ ہر طرح کے جملے سننے پڑتے ہیں۔

اس کے حوصلوں کی چٹانیں تڑخ رہی تھیں مگر وہ بظاہر خود کو سنبھالے ہوئے تھی اور یوں سر جھکائے کھڑی تھی جیسے پاپا اور احمد بھائی کے جرم میں وہ بھی برابر کی شریک رہی ہو۔

وہ شاید اس کے سر اٹھانے کا منتظر تھا۔ پھر چلتا ہوا اس کے سامنے آ کھڑا ہوا اور مدھم روشنی میں اس کے چہرے کو پڑھنے کی کوشش کرنے لگا۔

"اب کیا ڈھونڈنے کی کوشش کر رہے ہو معوذ شاہ۔ ہمارے دکھوں کی پیمائش کرنا چاہتے ہو۔ یا وہ رنگ ڈھونڈ رہے ہو جو تمہارے لیے اطمینان کا باعث ہیں۔" اس کے لہجے میں شکستگی در آئی۔

"کیا بہت دکھ ہوا ہے تمہیں؟" وہ یوں پوچھنے لگا جیسے دکھ دینے والی تو کوئی بات ہی نہ ہوئی تھی۔

"صرف اس بات کا کہ ہم رشتوں اور محبتوں کو اس وقت سمجھتے ہیں۔ ان کے قریب اس وقت جاتے ہیں جب ان کے علاوہ ہمارے پاس کچھ نہیں رہتا۔"

اس نے چہرا گرل کے ڈیزائن سے نکال کر اس کی سمت دیکھا اور جیسے دل کسی نے مٹھی میں لے لیا تھا۔

وہ بے حد مسکراتے لبوں اور چمکتی آنکھوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"میں اس حادثے کو اپنی خوش بختی تصور کرتا ہوں۔" اس نے کہا۔ اس کا لہجہ کسی طرح بھی اس حادثے پر متاسف نہ تھا۔

"تم کس قدر پتھر دل ہو معوذ شاہ۔" اس نے گہرے دکھ کے احساس کے ساتھ پلکیں جھکا لیں اور رخ موڑ کر جانے لگی مگر اس نے بے حد آہستگی سے اس کا ہاتھ پکڑ لیا تھا۔ اور لائٹ جلا دی۔ تیز روشنی میں لمحہ بھر کو اس کی آنکھیں چندھیا گئیں۔

"عینیہ جمشید! مجھ سے لوگ محض اپنی انا اور غیرت کے زعم میں اکثر اوقات اپنی خوشیوں سے بھی محروم رہ جاتے ہیں اور شاید یہاں بھی ایسا ہی ہوتا۔ مگر اسے میری خوش بختی ہی کہو کہ اب تم تک پہنچنے کے لیے مجھے اپنی انا کو کچلنا نہیں پڑے گا۔ مجھے اب اوپر کی طرف چڑھنے کے بجائے نیچے کی طرف اتر کر تمہیں پانا ہوگا اور ایسا میں بخوشی کر سکتا ہوں۔ یقیناً کوئی تھکن، کوئی رکاوٹ میرا راستہ نہیں روکے گی۔" وہ اپنی جیت کی نوید سنا رہا تھا اور وہ پوری آنکھیں کھولے اسے تکے گئی۔

"محبت کا اظہار اس وقت مناسب لگتا ہے جب منزل تک پہنچنا آسان ہو اور حوصلہ بھی ہو۔ محض راستوں میں بھٹکتے ہوئے اظہار اور محبت کے دعوے بے معنی سے ہوتے ہیں۔"

وہ اس کا نرم کانپتا ہاتھ تھپک رہا تھا۔

اور اس کا دل چاہا وہ اس لمحے اس کے مضبوط ہاتھ پر سر ٹکا کر سارے آنسو بہا ڈالے جو قطرہ قطرہ سمندر بن گئے تھے اور بے اختیار یہ فعل وہ انجام بھی دے گئی۔ اس کے مضبوط ہاتھ پر اس کے آنسو آتش سیال کی مانند گر رہے تھے اس کا لہجہ ـــــ اس کی آنکھیں محبت کا ایک خزانہ لٹائے دے رہی تھیں۔

"ارے ارے معوذ بھائی! یہ کیا کیا آپ نے۔" عالیہ کی آواز ابھری۔

"کیا کہہ دیا آپ نے۔ پھر رلا دیا اسے۔" وہ قریب آ گئی اس کے ہمراہ سارا اور روا بھی تھیں۔

"بس اب تو آخری بار رلایا ہے کبھی نہ رونے کی قسم دے کر ہے نا عینی؟" اس نے اس کا سر اونچا کر دیا۔

"سارے آنسو شکست کے ہی نہیں ہوتے عالی! کچھ فتح مندی کے بھی ہوتے ہیں۔" اس کا لہجہ اپنائیت سے بھرا ہوا تھا۔

"ہائیں کیسی فتح مندی۔" روا کے پلے خاک نہ پڑا تھا نہ یہ جملہ۔ نہ عینیہ کے جھل جھل بہتے آنسو۔

عالیہ بے اختیار ہنستی چلی گئی اور وہ جھینپ کر عالیہ کے مہربان سینے میں جا چھپی۔

"توبہ ایسی بھی کیا بے صبری تھی معوذ بھائی! تھوڑا صبر ہی کر لیتے۔"

عالیہ معوذ شاہ کو کمرے کی طرف جاتے دیکھتے ہوئے بڑبڑائی اور وہ عالیہ کے سینے سے لگی سوچ کر رہ گئی۔

"اب معوذ شاہ نے ایسی خاص بے صبری بھی نہیں دکھائی تھی ایک ماہ اور دس دن کم تو ہرگز نہیں ہوتے ایک خوبصورت اعتراف کرنے کے لیے۔"

★